مولانا عبدالستار حماد

قسط نمبر ۱

عصمتِ انبیاء علیہم السلام

دوسرا اعتراض:

متعصب مستشرقین اور کوتاہ نظر یورپین پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر غارِ حراء میں وحی الٰہی کے نزول کا انکار کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں:

"اگر رحمتِ عالم اور پیغمبرِ اسلام پر غارِ حراء میں وحی الٰہی کا نزول اور فرشتہ کا ظہور ہوا ہوتا تو پھر آپ وحی الٰہی سے فیض یاب ہو کر اور منصبِ رسالت کی بشارت سن کر یہ کیوں فرماتے "انی خشیت علی نفسی" اور (ام المومنین) حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو تسلی و تسکین دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ آپکو اپنے پروردگار "منزل وحی" پر توکل و بھروسہ نہیں تھا ــ وغیر ذالک من الخرافات!

الجواب:

اصل اعتراض کا جواب دینے سے قبل ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مفہوم ذکر کر دیں جس میں "انی خشیت علی نفسی" کے الفاظ منقول ہیں اور جن کی بنا پر معترضین نے اعتراض کیا ہے،

بخاری شریف "باب کیف کان بدء الوحی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" میں منقول ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر شروع میں سچی خوابوں کا سلسلہ شروع ہوا ـ ہر

خواب روزِ روشن کی طرح واضح اور صحیح ثابت تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے خلوت گزینی کو پسند کیا اور غارِ حرا میں مشغولِ عبادت رہنے لگے۔ ایک دن اچانک آپؐ پر فرشتہ نمودار ہوا، اور "اقراء" پڑھنے کو کہا۔ آپؐ نے "ما انا بقاری" کے الفاظ جواب میں کہے تو فرشتے نے آپؐ کو گرفت میں لے لیا جس کی شدت سے آپؐ کو تکلیف محسوس ہوئی۔ آخر چار مرتبہ ایسا ہی معاملہ وقوع ہونے کے بعد آپؐ نے سورۂ علق کی چند آیات کو دوہرایا اور ذہن نشین ہوگئیں۔"

اس کے بعد جب آپؐ گھر واپس ہوئے تو دل شدتِ وحی سے کانپ رہا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی فرمایا: "زملونی زملونی" یعنی مجھے کپڑا اڑھاؤ، مجھے کپڑا اڑھاؤ!" (ام المؤمنین) حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کپڑا اوڑھایا، جب آپؐ کو سکون ہوا تو حضرت خدیجہؓ کو تمام واقعہ کہہ سنایا اور پھر فرمایا "انی خشیت علی نفسی" "مجھے جان کا خوف ہے" کہ شاید اس وحی کے بار کو برداشت نہ کرسکوں۔ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو تسلی دی اور عرض کی کہ بخدا اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی ضائع نہیں کرے گا کیونکہ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی اور ناداروں کی چارہ جوئی کرتے ہیں اور مفلسوں کو ذریعہ معاش مہیا کرنے میں مدد دیتے ہیں، حق رسی کی کڑی سے کڑی مصیبت میں حامی و ناصر رہتے ہیں اس کے بعد آپؐ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ انہوں نے واقعہ سننے کے بعد کہا کہ "یہ تو وہی فرشتہ جبرائیل ہے جو موسیٰؑ پر وحی لے کر آتا تھا۔ اور یہ بھی کہا کہ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکال دے گی، کاش کہ میری زندگی میں یہ واقعہ پیش آئے تو میں آپ کی پوری پوری حمایت کروں۔ لیکن ورقہ بن نوفل اس واقعہ ہائلہ سے قبل ہی وفات پاگئے۔"

اس حدیث میں نزولِ وحی کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو فوری تاثر ہوا اس کو خود زبانِ مبارک سے یوں بیان فرمایا: "انی خشیت علی نفسی"، اور پھر اسکے ساتھ ہی حضرتِ خدیجۃ الکبریٰؓ کے اطمینان و تسکین دینے والے الفاظ منقول ہیں۔ تو یہ واقعہ کا ایسا پہلو ہے، جس کی فطری صداقت، غیر معمولی اور غیر مصنوعی سادگی خودبخود دل میں اتر جاتی ہے۔ اس واقعہ سے جو نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ

ایک نبوت و رسالت کی حقیقت سے نا آشنا ہستی جو فطری طور پر تشنۂ عبادت سے چور اور شرک کی آلائشوں سے نفور، گناہ کی آلودگیوں سے دور، عزلت نشینی و خلوت گزینی اختیار کر کے ایک غار کے گوشۂ تنہائی میں اپنے پروردگارِ حقیقی کے عشق سے سرشار ہو کر محوِ استغراق و سرگرمِ عبادت ہے۔ اور یہ سلسلہ دراز مدّتِ مدید سے جاری ہے۔ مگر اچانک ایک دن خدا کا فرشتہ "وحی" لے کر آموجود ہوتا ہے اور آپؐ کو نبوت و رسالت کی بشارت دیتا ہے۔ چونکہ یہ ہستی اس حقیقت سے ناواقف تھی اس لئے اس حیرت انگیز خبر اور وحی الٰہی کی عظیم ترین روحانی قوت کے زبردست اثر سے جو فوری انقلاب ذاتِ اقدس میں پیدا ہوا۔ اس کی وجہ سے تشویش و اضطراب و گھبراہٹ و دہشت کا رونما ہونا ایک فطری بات تھی "خشیت علی نفسی" کی یہ مراد ہرگز نہ تھی کہ جان کا خوف آپ کو پریشان کئے ہوئے تھا۔ ایک عربی النسل، قریشی الاصل بے پناہ شجاعت کے مالک سے اس قسم کی توقع کیسے ہو سکتی ہے؟ بلکہ مقصد صرف اس قدر تھا کہ وہ اس "وزرِ عظیم" "دبارِ گراں" کو برداشت بھی کر سکے گا یا نہیں؛ چنانچہ اسی اعلیٰ تاثر اور عظیم انقلاب کو اس محسنِ انسانیت کی رفیقۂ حیاتؓ نے محسوس کرتے ہوئے آپ کے محاسنِ اخلاق اور مکارمِ اطوار کا ذکر کیا اور کہا کہ خدا ایسی ہستی کو رسوا نہیں کرتا۔

پھر اسی اجمال کی تفصیل دریافت کرنے کے لئے آپؐ کے چچازاد بھائی کے پاس آپؐ کو لے گئیں۔ بات تو نہایت صاف، سادہ اور دل نشین ہے لیکن ان مستشرقین کی .. یا وہ گوئی کو میزانِ اعتدال کے ایک پلڑے میں رکھیں اور اس سادہ حقیقت کو دوسرے پلڑے میں رکھ کر اس حقیقت کا جائزہ لیں اور نکتہ چینی کو دیکھیں ؏

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا!

.. حقیقتِ حال کیا تھی اور اس کو "مرچ مسالہ" لگا کر کس رنگ میں پیش کیا؟ اس پورے واقعہ میں نہ تو خدائے لم یزل پر عدمِ اعتماد کی کوئی جھلک اور نہ فرشتہ کے ظہور پر کوئی شک و شبہ اور نہ ہی "نزولِ وحی" کے متعلق کوئی ریب و تردد ہے۔ بلکہ اس حقیقت کے اعتراف ہی کی بنا پر جو صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی، اس کا ایک فطری تاثر ہے جو آپؐ کی صداقت کا مزید ثبوت مہیا کرتا ہے کیونکہ اگر آپ واقعہ کو اس کیفیت سے بیان کرتے کہ گویا ذاتِ اقدس کے لئے کوئی اچنبھے کی بات نہیں بلکہ جانی بوجھی بات

ہے۔ تب اس اعتراض کی گنجائش البتہ ہو سکتی تھی کہ اس شخص نے پہلے ہی سے دعویٰ نبوت کیلئے ایک منصوبہ طے کر رکھا تھا اور غارِ حرا کی خلوتیں اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کڑیاں تھیں۔ اب موقع دیکھ کر اس نے پیغمبر خدا ہونے کا دعویٰ کر دیا وغیرہ وغیرہ۔

اسی حقیقت کو مصنف ابن کثیر یوں بیان کرتے ہیں:

"آپؐ نے پھر فرمایا "لقد خشیت علی نفسی" یہ اس لئے کہ آپؐ نے ایک ایسی حقیقت کا آج مشاہدہ کیا کہ اس سے قبل اس سے ناآشنا تھے۔ اور نہ آپؐ کے دل میں ایسا وہم وگمان ہوا تھا کہ آپؐ پر یہ کچھ بیتے گی۔" (ابن کثیر ج ۳، ص ۷)

اسی حقیقت کو شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں بیان کیا ہے!

اعتراض نمبر ۳!

مستشرقین جنہوں نے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقار کو مجروح کرنے کی قسمیں کھا رکھی ہیں، ایک اور اعتراض کرتے ہیں اور ایک خرافی داستان کو بڑے طمطراق سے بیان کرتے ہیں جو کہ یہود و نصاریٰ کی گھناؤنی سازش کے تحت وجود میں آئی اور مؤرخین نے تردید کیلئے اپنی کتب میں اس کا تذکرہ کیا، چنانچہ سر ولیم میور نے اپنی مایۂ ناز کتاب "محمد اینڈ اسلام" میں لکھا ہے:

"مہاجرین کو ابھی تین ماہ کا عرصہ گزرا تھا کہ ابی سینا میں یہ افواہ مشہور ہوگئی کہ تمام اہلِ مکہ اسلام لا چکے ہیں۔ اس لئے انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا اور مکہ آگئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عارضی طور سے صلح ہو گئی تھی، اگرچہ روایت بالکل عجیب وغریب اور ضعیف و کمزور ہے لیکن واقعات کی حقیقت میں کچھ بھی شک نہیں ہو سکتا۔

محمد صاحب نے خود شہریوں سے مصالحت کر لی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ بحالت غفلت آپ نے ان کے بتوں کا خدا کے دربار میں شفیع ہونا مان لیا۔ مکہ کے تین معروف و مشہور بتوں (لات، عزیٰ، منات) کے متعلق جہاں قرآن میں ذکر آیا ہے وہاں محمد (صلعم) نے عام مجمع کے سامنے ان کے متعلق مزید کہا " یہ

جو اونچے سفید بت ہیں، ان کی شفاعت کی خدا کے دربار میں امید ہے۔ پس تم خدا کو سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو۔"

لوگوں نے جواب دیا کہ اب ہم سمجھ گئے کہ زندہ کرنا اور مارنا تو صرف خدا کے ہاتھ میں ہے اور ہمارے معبود اس کے آگے شفیع ہیں۔ اب چونکہ آپ نے بھی ہمارے معبودوں کی قدر سے عزت کی ہے اس لئے ہم راضی ہیں، وہ اسی وقت سجدہ ریز ہو کر عبادت و پرستش میں مشغول ہو گئے۔ لیکن محمد صاحب اس "فعل مصلحانہ" سے بہت جلد نادم و پشیمان ہوئے اور آپ نے دل میں بہت حزن و تاسف کیا، آخر کچھ عرصہ کے بعد لوگوں کو آواز دی اور پاس بلا کر وہ عبارت سنائی جو قرآن میں مذکور ہے۔ مگر صرف فرق اتنا ہے کہ مذکورہ بتوں کی طرف اشارہ کر کے دو آیتیں اور بڑھائی ہوئی ہیں جس کا مطلب یہ ہے "کیا تم اپنے لئے تو بیٹے تجویز کرو اور خدا کے لئے بیٹیاں، یہ تو بہت ناانصافی کی تقسیم ہے، یہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے اپنے دل سے اختراع کر لئے ہیں۔"

قریش اس بات سے سخت برہم ہوئے کیونکہ ان کو نہایت ہی ڈرامائی انداز میں بیوقوف بنایا گیا تھا اور اس لئے انہوں نے پہلے سے زیادہ تکلیف دینے کی ٹھان لی۔ یہ واقعات ہیں جو ہم کو روایتوں میں ملتے ہیں اگرچہ مستند و معتبر اور قابل اعتماد مفسرین اس کو بالکل جھوٹ اور بہتان ذکر کرتے ہیں۔ لیکن مہاجرین کا ابی سینیا سے واپس آجانا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس واقعہ میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہے اور یہ ضرور واقع ہوا ہوگا۔" (بحوالہ عصمت النبیؐ از مولانا میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ)

ان خرافات کو حقیقت کا لباس پہنانے کے لئے یہ آیات پیش کرتے ہیں:

"وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي الا اذا تمنى القى الشيطان في امنيته فينسخ الله ما يلقى الشيطان ثم يحكم الله آياته والله عليم حكيم" (الحج)

کہ "اے پیغمبرؐ آپ سے پہلے ہم نے جو رسول اور نبی بھیجا ہے، جب اس نے کوئی بات کی یعنی کوئی تعلیم ربانی پہنچائی، تو شیطان نے اس تعلیم کے متعلق

منکروں کے دلوں میں) وسوسہ ڈال دیا۔ پس اللہ تعالیٰ اس وسوسۂ شیطانی کا ازالہ کر دیتا ہے اور پھر اپنی آیات و احکام کو محکم طور پر بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اور دانا بھی!"

الجواب:

بیشک اس قصہ کو مدنظر رکھنے سے ان آیات بینات کی تفسیر میں بڑا بھاری دھوکہ لگ سکتا ہے اور جس کو دھوکہ لگا، صرف اسی لئے لگا کہ اس نے اس قصہ سے اپنے دماغ کو خالی نہیں کیا۔ کیونکہ ان آیات میں القاء شیطانی اور اس کے نسخ اور منافقوں اور سنگدلوں کے فتنے اور مومنوں کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کا صریح ذکر ہے جو بہ نظرِ ظاہر اس قصے سے مطابقت کھا جاتے ہیں۔ لیکن حقیقتِ حال اس کے بالکل ناموافق ہے جیسا کہ ہم اسکا ابطال کرتے ہیں بلکہ اس میں قرآنِ مقدس کا اعجازی کمال ثابت ہوتا ہے، وباللہ التوفیق!

اس قصہ کے بالکل غلط اور بے بنیاد ہونے کے لئے درج ذیل نکات پر غور کریں:

۱۔ سورۃ النجم کا سیاق وسباق اس غلط فہمی کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہنے دیتا، کیونکہ اس کے بعد ہی ان بتوں کی زبردست مذمت مذکور ہے اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک بے جوڑ جملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری ہو جائے جو ان آیات کے مخالف ہو۔ اس بات کو نہ خود آپؐ نے محسوس فرمایا اور نہ ہی مسلمانوں کی توجہ اس طرف ہوئی؟ سورۃ النجم کا سیاق سمجھیں:

ان آیاتِ بینات میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو ضلالت سے اور آپؐ کے قصد اور عمل کو غوایت سے اور آپؐ کے کلام کو خواہش نفسانی سے اور آپؐ کے دل کو آنکھ کے جھٹلانے سے (یعنی جو کچھ دیکھا اُسے دل سے سچ جانا اور ٹھیک سمجھا) اور آپؐ کی آنکھ کو بہکنے اور مقصود سے اُچٹ جانے سے پاک بیان کیا، نیز آپؐ کا علوم حقّہ کو خاص فرشتہ الٰہی حضرت جبریل امین علیہ السلام اور وحی الٰہی سے حاصل کرنا فرمایا، اور انہی باطنی کمالات کی وجہ سے آپؐ کا ظاہری طور پر آسمان پر پہنچنا اور وہاں تجلیاتِ قدسیہ کا بکمالِ حوصلہ مشاہدہ کرنا ذکر کیا ہے۔ تو کیا آپؐ خیال فرما سکتے ہیں کہ جو شخص ایسے کمالات والا ہو اور ان صفتوں سے موصوف ہو اور اس کی روحانی قوتیں اس حد تک پہنچی ہوں کہ خاص اللہ تعالیٰ اور اس کی وحی سے تعلیم یافتہ ہو اور اس کی علمی اور عملی حالت کمال کے

اعلیٰ نقطے تک پہنچی ہوئی ہو اور اس کا دل اور زبان کذب و کجروی اور خواہش نفسانی سے پاک ہو، وہ حکم الٰہی کی تبلیغ کے وقت عمداً کوئی بات محض لوگوں کی رعایت کے لیے اپنی طرف سے درمیان میں ملا دے، خصوصاً انہیں آیات میں جن میں اس کے یہ مناقب و اوصاف مذکور ہوں، کیا انہی کمالات کا ذکر اس کے دل کو خدا تعالیٰ کی طرف ایک خاص طور سے متوجہ نہ کیے رکھے گا یا آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ حکم الٰہی کے پہنچانے میں ایسے باکمال شخص کے دماغ پر ایسی غفلت چھا جاتی ہے کہ وہ سہو و نسیان میں مبتلا ہو کر ایسی بات کہہ ڈالے جو اس کے مشن کے بالکل اور اس کی تحریک کے عین منافی ہو یا آپ اس امر کو جائز تسلیم کرتے ہیں کہ ایسے معلم ربانی کی تبلیغ وحی کے وقت شیطان کسی قسم کا دخل دے سکے، حاشا و کلا!

اللہ سبحانہ کا فرستادہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب خرافات، موضوعات سے پاک و منزہ ہے کیونکہ ان کو صحیح تسلیم کرنے سے حکمت الٰہی کا ابطال لازم آتا ہے۔

۲۔ جب تمام مکی سورتوں میں توحید کو واضح کر کے بیان کر دیا گیا تھا تو پھر اب یہ کیونکر قابل تسلیم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مسلک بدل دیا اور آپ کو محسوس نہ ہوا ہو۔

۳۔ تبدیلی مسلک اور غلط باتوں کے پیش کرنے پر قرآن میں سخت وعید آئی ہے: "ولو تقول علینا بعض الاقاویل" الخ

۴۔ یہ نص موجود ہے کہ آپ وحی کے تابع تھے اور اپنی طرف سے کچھ کہہ دینے کے مجاز نہ تھے: "وما ینطق عن الھویٰ"

۵۔ آپ کا دل و دماغ اور زبان سب چیزیں اس طرح حفاظت الٰہیہ میں تھیں کہ شیطان کی مخل اندازی نا ممکن، اللہ فرماتا ہے "ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا" الخ

۶۔ اگر یہ قصہ تسلیم کر لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر پیغام لوگوں تک اصلی حالت میں پہنچنا یقینی نہیں!

(باقی - باقی)